میلادِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر ایک قدیم شہ پارہ
"حسن المقصد فی عمل المولد"
پہلی بار اصل عربی متن و اردو ترجمہ کے ساتھ منظر عام پر
محفلِ میلاد کا
مقصدِ خیر
مصنف
امام جلال الدین سیوطی
(المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)
مترجم
پروفیسر محمد طفیل سالک
FALAH RESEARCH FOUNDATION
فلاح
فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن

میلادِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر ایک قدیم شہ پارہ "حسن المقصد فی عمل المولد"
پہلی بار اصل عربی متن و اردو ترجمہ کے ساتھ منظر عام پر

محفلِ میلاد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصدِ خیر

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء)

مترجم:
پروفیسر محمد طفیل سالک

ناشر
فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن
523/7، وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶
رابطہ: 09867934085
ای میل: abdullahalchisti@yahoo.com
www.falaah.co.uk

نام کتاب	:	محفلِ میلاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقصدِ خیر
مصنف	:	امام جلال الدین سیوطی
کمپوزنگ	:	کامل احمد نعیمی
تزئین و تصحیح	:	محمد زبیر قادری
اشاعتِ اوّل	:	شوال المکرّم ۱۴۳۴ھ/اگست ۲۰۱۳ء
تعدادِ اشاعت	:	۱۱۰۰
صفحات:	:	۴۰
قیمت	:	Rs. 30/-

ملنے کے پتہ

☆ بنگلور

☆ کان پور

☆ دہلی: کتب خانہ امجدیہ، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی 011-23243187

☆ ممبئی: ناز بک ڈپو، بھنڈی بازار، محمد علی روڈ، ممبئی ۳

Name of the Book: Ĥusn al-Maqșid fi Ámal al Mawlid
(Arabic with Urdu)

Author: Imām Jalāluddīn al-Suyūţi

Translator: Prof.Ţufail Sālik

Publisher : Falaah Research Foundation
523/7, Waheed Kutub Market, Matia
Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006

عرضِ ناشر

امام جلال الدین سیوطی (ولادت: ۸۴۹ھ/ ۱۴۴۵ء۔ وصال: ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء) دسویں صدی ہجری کے مجدد تھے۔ آپ ایک جلیل القدر محدث، مفسّر، مؤرخ، شافعی فقہ کے امام کے ساتھ ساتھ مختلف اسلامی علوم وفنون پر مہارت رکھتے تھے۔ کم وبیش ۷۲۳[۱] کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں بعض ''جمع الجوامع المعروف بالجامع الکبیر'' جیسی ضخیم کتاب ہے، تو بعض محض چار صفحے کے رسالہ پر مشتمل ہے۔

امام سیوطی نے اپنے مختلف رسائل کو یکجا کرکے "الحاوی للفتاویٰ" کی شکل میں ترتیب دیا اور یہ مجموعۂ فتاویٰ ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۳ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا۔ جس میں میلادِ مبارک سے متعلق یہ رسالہ "حسن المقصد فی عمل المولد" جلد اوّل کے صفحہ ۱۸۹ سے ۱۹۸ پر موجود ہے۔[۲] بعد میں شیخ عبد القادر عطا کی تحقیق کے ساتھ یہ رسالہ الگ سے کتابی صورت میں دار الکتب العلمیہ، بیروت سے ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء شائع کیا گیا۔

فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن کی جانب سے شائع ہونے والا یہ نسخہ الحاوی للفتاویٰ سے لیا گیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ پروفیسر محمد طفیل سالک صاحب (لاہور) نے کیا جو ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء میں اِدارۂ معارفِ نعمانیہ، لاہور پاکستان سے طبع ہوا اور ہم کو جناب خلیل رانا کی معرفت حاصل ہوا۔ ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ رسالہ ''محفلِ میلاد کا مقصدِ خیر'' پہلی بار ہندوستان میں شائع کیا جارہا ہے۔ اہلِ علم حضرات کے لیے کتاب کا اصل عربی متن بھی شاملِ کتاب ہے۔

فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن اسی طرح اپنے اسلاف کی نادر ونایاب تحریروں کو منظرِ عام پر لانے کا کام کررہا ہے۔ اللہ ربّ العزت پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل ہماری اس کاوش کو قبولِ عام فرمائے۔ آمین

سید محمد فضل اللہ صابری چشتی

جمعہ ۱۱ر شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ/ ۲۱ر جون ۲۰۱۳ء

---

[۱] دلیل مخطوطات السیوطی وأماکن وجودہ۔ مرتبہ: احمد سعید خازندار، محمد ابن ابراہیم شیبانی، ناشر مکتبۃ ابن تیمیۃ، ۱۹۸۳ء، کویت

[۲] الحاوی للفتاویٰ، جلد اوّل، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۳ء بیروت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

سوال یہ ہے کہ ماہِ ربیع الاوّل میں حضور نبی مکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلاد شریف منانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ شرعی نکتۂ نظر سے محمود ہے یا مذموم؟ اور کیا ان کا انعقاد واہتمام کرنے والے کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

تقریبِ مسرّت

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ میلاد شریف دراصل ایک ایسی تقریبِ مسرّت ہوتی ہے جس میں لوگ جمع ہو کر بقدر سہولت قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور حضور نبی اکرم فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سراپا نور کے سلسلے میں جو خوش خبریاں احادیث و آثار میں آئی ہیں اور جو خوارق عادات اور نشانیاں ظاہر ہوئی ہیں، انہیں بیان کرتے ہیں۔ پھر شرکائے محفل کے آگے دستر خوان بچھایا جاتا ہے۔ وہ حسب طلب اور بقدر کفایت ماحضر تناول کرتے ہیں اور دعائے خیر کر کے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں منعقد کی جانے والی یہ تقریب عید، بدعتِ حسنہ ہے، جس کا اہتمام کرنے والے کو ثواب ملے گا، اس لیے کہ اس میں حضور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم، شان اور آپ کی ولادتِ باسعادت پر فرحت وانبساط کا اظہار پایا جاتا ہے۔

میلاد شریف کی تاریخ

میلاد شریف کو مروّجہ اہتمام کے ساتھ منعقد کرنے کی ابتدا اربل کے حکمران سلطان مظفر نے کی، جس کا پورا نام ابوسعید کوکبری بن زین الدین علی بن بکتگین ہے۔ اس کا شمار عظیم المرتبت سلاطین اور فیاض اُمرا میں ہوتا ہے۔ اس نے کئی اور نیک کارنامے بھی سرانجام دیئے اور یادگاریں قائم کیں۔ کوہِ تاسیون کے دامن میں جامع مظفری تعمیر کرائی۔

ابن کثیر اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سلطان مظفر ربیع الاوّل کے مہینے میں میلاد شریف کا نہایت شان وشوکت اور تزک واحتشام سے اہتمام کرتا تھا اور اس سلسلے میں ایک عظیم الشان جشن منعقد کرتا۔ وہ ایک ذکی القلب، دلیر، زیرک، عالم اور عادل حکمران تھا۔ اللہ اس پر رحمت کرے، اور معزز مقام ومرتبے سے نوازے۔ شیخ ابوخطاب بن وحیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کے موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی، جس کا نام انہوں نے التنویر فی المولد البشیر النذیر رکھا۔ جس پر سلطان نے انہیں ایک ہزار دینار انعام دیا۔ وہ تادمِ مرگ حکمران رہا۔ اس کی وفات ۶۳۰ھ میں شہر ''عکا'' میں ہوئی۔ اس وقت اس نے فرنگیوں کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ مختصر یہ کہ انتہائی نیک سیرت اور پاک طینت آدمی تھا۔

سبط ابن الجوزی نے ''مراۃ الزمان'' میں لکھا ہے کہ سلطان مظفر کے ہاں میلاد شریف میں شریک ہونے والے ایک شخص نے بیان کیا کہ اس نے خود شمار کیا کہ شاہی دسترخوان میں پانچ سوختہ بکریاں، دس ہزار مرغیاں، ایک لاکھ آب خورے اور تیس ہزار ٹوکرے شیریں پھلوں سے لدے پڑے تھے۔ مزید لکھتے ہیں کہ میلاد شریف کی تقریب پر سلطان کے ہاں بڑے بڑے جید علما اور جلیل القدر صوفیہ آتے، جنہیں وہ خلعت واکرامِ شاہی سے نوازتا تھا۔ صوفیہ کے لیے ظہر سے لے کر فجر تک محفلِ سماع ہوتی، جس میں وہ بنفسِ نفیس شریک ہوتا اور صوفیہ کے ساتھ مل کر وجد کرتا تھا۔ ہر سال میلاد شریف پر تین لاکھ دینار خرچ کرتا۔ باہر سے آنے والوں کے لیے اس نے ایک مہمان خانہ مخصوص کر رکھا تھا۔ جس میں ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ بلالحاظ مرتبہ، مختلف اطراف واکناف سے آکر ٹھہرا کرتے۔ اس مہمان خانہ پر ہر سال ایک لاکھ دینار خرچ اٹھتا تھا۔ اسی طرح ہر سال دو لاکھ دینار فدیہ دے کر فرنگیوں سے اپنے مسلمان قیدی رہا کراتا اور حرمین کی نگہداشت اور حجازِ مقدس کے راستے میں (حجاج کرام کے لیے) پانی مہیا کرنے کے لیے تین ہزار دینار سالانہ خرچ کیا کرتا تھا۔ یہ ان صدقات وخیرات کے علاوہ ہے جو پوشیدہ طور پر کیے جاتے۔ اس کی بیوی ربیعہ خاتون بنت ایوب جو سلطان ناصر صلاح الدین کی ہمشیرہ تھی، بیان کرتی ہے کہ اس کی قمیص موٹے

کرباس (کھدر کی قسم کے کپڑے) کی ہوتی تھی۔ جو پانچ درہم سے زیادہ لاگت کی نہیں ہوتی تھی۔ کہتی ہیں کہ ایک بار میں نے اس سلسلے میں انہیں ٹوکا تو انہوں نے کہا کہ میرے لیے پانچ درہم کا کپڑا پہن کر باقی صدقہ وخیرات کر دینا اس سے کہیں بہتر ہے کہ میں قیمتی کپڑے پہنا کروں اور کسی فقیر اور مسکین کو خیر باد کہہ دوں۔

میلاد شریف کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب

ابن خلکان نے حافظ ابوالخطاب ابن دحیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے:

''وہ جید علما اور مشاہیر فضلا سے تھے۔ مغرب سے شام و عراق آئے۔ راستے میں ۶۵۴ھ میں اربل کے علاقے سے گزرے۔ اس کے حکمران ملک معظم مظفر الدین بن زین الدین کو دیکھا کہ وہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے کا اہتمام کرتا ہے تو اس کے لیے کتاب 'التنویر فی المولد البشیر النذیر' لکھی اور خود اسے پڑھ کر سنائی۔ ہم نے اس کتاب کو سلطان کے ہاں ۶۲۵ھ میں چھ نشستوں میں سنا ہے۔''

انکارِ میلاد پر فاکہانی کا رسالہ

شیخ تاج الدین عمر بن علی لخمی اسکندری، جو فاکہانی کی نسبت سے مشہور ہیں، نے دعویٰ کیا ہے کہ میلاد شریف بدعتِ مذمومہ ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں ایک مضمون لکھا ہے جس کا عنوان ہے "المورد فی الکلام علی المولد" ذیل میں اسے پورے کا پورا نقل کرتا ہوں اور پھر حرف بحرف کلام کروں گا۔

کہا شیخ نے، اللہ اُن پر رحم کرے۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی ہدایت دی اور دین کے ارکان اور ضروری اصولوں پر قائم رہنے کی توفیق بخشی اور سلف صالحین کے آثار اور طریقے کی پیروی کو ہمارے لیے آسان بنایا۔ حتیٰ کہ ہمارے دل علم شرع کے انوار اور حق مبین کے دلائلِ قطعیہ سے ہو گئے اور ہمارے باطن کو دین میں پیدا ہونے والی نئی نئی بدعتوں اور محدثات کی گندگی اور آلودگی سے پاک رکھا۔ میں اس کا حمد و شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے انوارِ یقین سے ہمیں منور فرمایا اور

حبل متین کو مضبوطی سے پکڑے رکھنے کی ہمت بخشی اور یہ اسی کا احسان و کرم ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ حدہٗ لاشریک ہے۔ وہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اوّلین وآخرین کے سردار ہیں۔ اللہ اُن پر، اُن کے آل و اصحاب اور ازواجِ مطہرات پر جو مومنوں کی مائیں ہیں، قیامت کے دن تک درود وسلام نازل فرمائے۔

امابعد: سائلین کی ایک جماعت نے بہ تکرار یہ سوال کیا کہ ماہِ ربیع الاوّل میں بعض لوگ جو اجتماع کرتے ہیں اور اسے مولود کا نام دیتے ہیں، کیا شریعت میں اس کی کوئی اصل ہے؟ یا یہ دین میں ایک نئی اختراع اور بدعت ہے؟

میں کہتا ہوں اور اللہ ہی توفیق عنایت فرمانے والا ہے کہ مجھے کتاب وسنّت میں میلاد شریف کی کسی اصل کا علم نہیں ہوسکا اور نہ ہی علمائے اُمت سے جو دین کے قائد اور متقدمین کے آثار پر قائم ہیں، اس کا علم منقول ہوا ہے۔ بلکہ یہ سراسر بدعت ہے، جسے فضول اور بے ہودہ لوگوں نے ایجاد کیا ہے اور یہ ان بندگانِ شکم کی شہوت نفس کی پیداوار ہے جو کھانے پینے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ہم اس پر شریعت کے احکام خمسہ وارد کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ یا تو واجب ہوگی یا مندوب یا مباح یا مکروہ یا حرام۔ اور اس پر بھی کا اجماع ہے کہ یہ واجب نہیں ہے، نہ ہی یہ مندوب ہوسکتی ہے اس لیے کہ مندوب وہ امر ہوتا ہے جس کا شریعت نے مطالبہ تو کیا ہو لیکن نہ کرنے والے کی مذمت بھی نہ کی ہو (یعنی اس کے نہ کرنے پر کوئی مواخذہ نہ ہو) میلاد شریف ایک ایسا کام ہے جس کا شریعت نے حکم نہیں دیا، اور نہ ہی صحابہ اور تابعین نے اسے کیا ہے اور نہ ہی متقدین علما نے جن کا مجھے علم ہے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اگر مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو میرا یہی جواب ہوگا۔ اس لیے کہ اس پر اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ دین میں کوئی بدعت مباح نہیں ہوسکتی۔ اب دو ہی صورتیں باقی رہ گئیں کہ یا تو یہ مکروہ ہوگی یا حرام۔ ذیل میں انہی کے بارے میں الگ الگ گفتگو ہوگی اور دونوں حالتوں میں جو فرق ہے اسے بیان کیا جائے گا۔‘‘

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے ذاتی مال سے میلاد شریف کا اہتمام کرے۔ اپنے اہل وعیال اور دوست احباب کو دعوت دے، وہ اس میں شریک ہوکر کھانا کھائیں اور کوئی خلافِ شرع کام نہ کریں۔ اسی کو ہم بدعتِ مکروہ اور شناعہ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ متقدمین پیشوایانِ دین یعنی فقہائے اسلام اور علمائے انام جو کہ ہر دَور اور جگہ کے لیے چراغِ ہدایت اور زینتِ عالم ہیں، میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔

دوسری صورت میں گناہ کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ نمود ونمائش اور داد و دہش کے مظاہرے میں حصہ لینے والوں کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے اور ان میں دریوزہ گری اور محرومی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جب کوئی چیز ملتی ہے تو نفس اسے کوستا اور دل ملامت کرتا ہے اور یوں غم و افسوس میں مبتلا ہو کر وہ رنجیدہ و کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ علما نے کہا ہے کہ حیا و شرم کے ساتھ مال لینا (جس سے عزتِ نفس کے مجروح ہونے کا احساس ہو) تلوار کے ساتھ مال لینے کے برابر ہے۔ خاص کر جب اس محفل میں بھرے پیٹوں کے ساتھ، ڈھول ڈھمکے اور باجے گاجے ایسے آلاتِ موسیقی کے ذریعے راگ وسرور بھی مل جائے، مَردوں، نوعمر لڑکوں اور بے پردہ عورتوں کے ساتھ اجتماع کی بھی صورت ہو، جنہوں نے بناؤ سنگار کر رکھا ہو اور وہ باہم مخلوط ہوں یا اوپر سے محفل کا تماشا کر رہی ہوں۔ اس کے ساتھ رقص، کبھی کمر کو جھکا کر اور کبھی بازوؤں اور رُخوں کو اِدھر اُدھر موڑ کر ہو رہا ہو اور یوں لہو ولعب اور روزِ آخرت کی فراموشی کا عالم ہو۔ عورتوں کی الگ محافل بھی کچھ کم فتنہ انگیز نہیں ہوتیں، جہاں وہ اپنی آوازیں بلند کرتی ہیں اور مزے لے لے کر گاتی ہیں۔ ذکرِ تلاوت کے وقت حدِ شرع سے تجاوز کرتی ہیں، بلکہ عام حد سے بھی آگے نکل جاتی ہیں، یعنی خواہ مخواہ چیخ چیخ کر آوازیں نکالتی ہیں، اور یوں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے سراسر غفلت کا ثبوت دیتی ہیں:

ان ربك لبالمرصاد۔ ''بے شک تیرا رب گھات میں ہے۔''

''ایسی محفل کے حرام ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا اور کوئی مہذب اور دین دار آدمی اس کو بہ نظرِ استحسان نہیں دیکھ سکتا۔ جن کے دل مر چکے ہوں اور جو ابھی گناہ

ومعصیت سے آزاد نہیں ہو سکتے، وہی اس میں لذت پاتے ہیں۔ اور ستم ظریفی یہ کہ وہ اس کو عبادت بھی کہتے ہیں اور ممنوع اور حرام خیال نہیں کرتے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

بدا الاسلام غریبا وسیعود کما بداء۔

''اسلام غریب ہی شروع ہوا اور عنقریب اس کی پہلی حالت لوٹ آئے گی۔''

ہمارے شیخ قشیری نے اس معاملے میں جس کو ہم نے جائز بنا رکھا ہے۔ کیا خوب کہا ہے:

قد عرف المنکر واستنکر المعروف فی ایامنا الصعیته

''ہمارے پُر آشوب دور میں منکر معروف اور معروف منکر ہو گیا ہے۔''

وصار اهل العلم فی وهده وصار اهل الجهل فی رتبته

اہلِ علم پست اور بے قدر۔ اور جاہل بلند مرتبہ ہو گئے ہیں۔

حادوا عن الحق اللذی سار وابه فیما مضی نسبته

حق سے دور ہو گئے ہیں ان کے طریقے کو، طریق سلف سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

فقلت للابرار اهل التقی والدین لما اشتدت الکربته

کرب میں نے ابرار (نیک لوگوں سے) جو اصحابِ تقویٰ اور اہلِ دین کہا

لا تنکروا حوالکم قرأتت لو بتکم فی زمن الغربته

اپنے حال سے پریشان نہ ہو کہ تمہاری باری زمانۂ غربت میں آئی ہے۔

امام ابو عمر بن العلاء نے کیا خوب فرمایا:

لا یزال الناس بخیر ما تعجب من العجب

''لوگ ہمیشہ نیکی پر رہیں گے (یعنی نیکی کا وجود دنیا سے کبھی ختم نہ ہوگا) اس عجیب دور سے گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔''

مزید براں ربیع الاوّل صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا ہی نہیں بلکہ آپ کی وفات کا بھی مہینہ ہے۔ اس لیے اس میں خوشی و مسرت کا اظہار غم و حزن سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ محفلِ میلاد کے بارے میں ہم یہی کچھ کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے حسنِ قبول کی توقع رکھتے ہیں۔''

مذکورہ بالا رسالے کا رد

فاکہانی نے اس مختصر سے مضمون میں جو کچھ کہا ہے، اب اس پر میری گفتگو ملاحظہ فرمایئے:

اس کا یہ کہنا کہ کتاب وسنّت میں مجھے میلاد شریف کی اصل کا علم نہیں ہوسکا۔ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ کسی چیز کے علم کی نفی، اس کے وجود کی نفی کو مستلزم نہیں (یعنی ضروری نہیں کہ جس چیز کا کسی کو علم نہ ہو وہ درحقیقت موجود بھی نہ ہو)۔ امام الحفاظ ابوالفضل احمد بن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے میلاد شریف کی اصل سنّت سے نکالی ہے۔ ایک اور اصل میں نے بھی نکالی ہے، جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

اور فاکہانی کا یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے۔ جیسے فضول اور بے ہودہ لوگوں اور پیٹ کے ان بندوں نے ایجاد کیا ہے، جن پر شہوتِ نفس کا غلبہ ہے۔ اور پھر بدعت کی مختلف قسمیں بیان کر کے یہ کہنا کہ یہ نہ تو واجب ہے، نہ مندوب، اس لیے کہ نہ تو شرع ہی نے اس کا مطالبہ کیا ہے اور نہ صحابہ وتابعین اور نہ ہی متقدمین علما نے اسے منعقد کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم کہتے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، اسے ایک سلطان عادل وعالم نے ایجاد کیا، جس سے اس کا مقصد تقرب الی اللہ کا حصول تھا۔ اس کے پاس بہت سے علما وصلحا موجود تھے مگر کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، بلکہ ابن وحیہ (ایسے یگانہ روزگار عالم دین نے) اسے پسند کیا اور اس موضوع پر اس کے لیے ایک کتاب لکھی (جس کا ذکر اوپر گذر چکا) یہ سب متقدمین علما ہی تھے جنھوں نے میلاد شریف کو پسند کیا، اس کی تائید وتوثیق کی اور مذمت یا تردید نہیں کی (جو اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ فاکہانی نے جو کچھ بیان کیا، غلط ہے) رہا اس کا یہ کہنا کہ یہ مندوب بھی نہیں۔ اس لیے مندوب حقیقت میں وہ عمل ہوتا ہے جس کا شرع نے مطالبہ کیا ہو۔ اس سلسلے میں گزارش ہے کہ مندوب کے بارے میں شرع کا مطالبہ کبھی تو نص کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی قیاس کے ذریعے۔ میلاد شریف کے بارے میں اگرچہ نص وارد نہیں ہوئی، تاہم ان دو اصلوں سے جن کا ذکر آگے آئے گا، قیاس ضرور ہوتا ہے یعنی ان

دواصلوں پر قیاس کر کے اس کے ندب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے)

بدعت کی مختلف قسمیں

اور اس کا یہ کہنا کہ میلاد شریف مباح بھی نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اس پر اہلِ اسلام کا اجماع ہے کہ جو چیز دین میں بدعت ہے وہ مباح نہیں ہو سکتی، بلکہ مباح بھی ہوتی ہے، مندوب بھی اور واجب بھی۔ امام نووی تہذیب الاسماء واللغات میں فرماتے ہیں:

البدعته فی الشرع هی احداث مالم یکن فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وهی منقسمة الی حسنة وقبیحة۔

''بدعت شرعی اصطلاح میں اس نئی چیز کو کہتے ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی۔ اس کی دو قسمیں ہیں، بدعتِ حسنہ اور بدعتِ قبیحہ (جسے عام طور پر بدعتِ سیئہ بھی کہتے ہیں)

شیخ عزالدین بن عبدالسلام، القواعد میں لکھتے ہیں:

البدعة منقسمة الی واجبة ومحرمة ومندوبة ومکروهة ومباحة قال والطریق فی ذلك ان تعرض البدعة علی قواعد الشریعة فاذا دخلت فی قواعد الایجلب فهی واجبة اوفی قواعد التحریم فهی محرمة اوالندب فمندوبة او المکروهة فمکروهة اوالمباح فمباحة۔

''بدعت کی کئی قسمیں ہیں۔ واجب، حرام، مندوب، مکروہ اور مباح۔ یہ جاننے کے لیے کہ کوئی چیز کس قسم کی ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس بدعت کو شریعت کے قواعد پر پرکھیں۔ اگر یہ قواعد ایجاب میں داخل ہو تو یہ واجب ہے، اگر تحریم میں ہو تو یہ حرام ہے، اگر ندب میں ہو یہ مندوب ہے، اگر مکر میں تو یہ مکروہ ہے، اگر رباخت میں تو یہ مباح ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے بدعت کی ان پانچ قسموں کی مثالیں بیان کی ہیں اور لکھا ہے:

وللبدع المندوبته منها احداث الربط والمدارس وکل احسان لم یهد فی العصر الاوّل، ومنها التراویح والکلام فی دقائق التصوف وفی

الجدل ومنها جمع المحافل للاستدلال فی المسائل ان قصد بذالك وجه الله تعالیٰ۔

''بدعت مندوب کی کئی مثالیں ہیں مثلاً مسافر خانے اور مدرسے بنانا، اور ہر قسم کا کارِ خیر جو پہلے زمانے میں نہیں کیا گیا (اور بعد میں ایجاد ہوا) مثلاً تراویح، دقائقِ تصوف کا بیان، علمِ کلام ومناظرہ اور مسائل میں استدلال کے لیے محافل کا انعقاد، بشرطیکہ ان سے رضائے الٰہی کا حصول مدِ نظر ہو۔''

بیہقی نے مناقب شافعی میں خود امام شافعی سے، اپنی اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

المحدثات من الأمور ضربان، أحدهما: ما أحدث مما يخالف كتابا أو سنة أو أثرا أو اجماعا، فهذه البدعة الضلالة، والثانی: ما أحدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا، وهذه محدثة غير مذمومة، وقد قال عمر رضی الله عنه فی قيام شهر رمضان: "نعمت البدعة هذه" يعنی أنها محدثة لم تكن، واذ كانت فليس فيها رد لما مضى۔

''بدعات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کتاب وسنّت اور اثر و اجماع کے خلاف ہو، یہ بدعتِ ضلالۃ ہے۔ دوسری وہ جسے کسی نیک مقصد کے لیے ایجاد کیا گیا ہو، اور کتاب وسنّت اور اثر و اجماع میں سے کسی کے مخالف نہ ہو۔ ایسی بدعت غیر مذمومہ ہے (یعنی شرعاً اس میں کوئی برائی نہیں)۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیامِ رمضان (تراویح) کے بارے میں فرمایا: نعمت البدعة هذا۔ ''کتنی اچھی بدعت ہے یہ'' یعنی یہ ایسی اختراع ہے جو پہلے نہیں تھی اور اب شروع ہوئی ہے تو اس میں پہلی کسی چیز کی تردید نہیں پائی جاتی۔''

بدعتِ مندوبہ

اس سے شیخ تاج الدین کی اس عبارت کی بھی تردید ہوگئی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ میلاد شریف مباح بھی نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ بدعتِ مکروہہ ہے۔ کیوں کہ یہ ایجاد کردہ

اُمور کی اس قسم سے ہے، جس میں کتاب وسنّت اور اثر و اِجماع میں کسی کی مخالفت نہیں پائی جاتی، اس لیے یہ غیر مذموم ہے (یعنی شرعی نقطۂ نظر سے اس میں کوئی برائی نہیں) جیسا کہ امام شافعی کی عبارت میں ہے اور یہ کارِ خیر ہے جسے اگر چہ (بصورتِ موجودہ) عصرِ اوّل میں نہیں کیا گیا اور بعد میں ایجاد ہوئی ہے کھانے کی دعوت، جس میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ ہو، نیکی ہی کا کام تو ہے۔ لہٰذا میلاد شریف کے سلسلے میں ایسا اجتماع جس میں کوئی آدمی اپنے خاص مال سے اپنے اہل وعیال اور دوست احباب کے لیے کھانے کی دعوت کرے اور اس میں کسی خلافِ شرع اُمور کا ارتکاب نہ ہو، بدعتِ مندوبہ ہے۔ جیسا کہ ابن عبدالسلام کے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے۔

حرام ومکروہ باتیں

فاکہانی نے جو دوسری صورت بیان کی ہے اور اس پر جو تنقید کی ہے، وہ فی نفسہٖ صحیح ہے۔ بلاشبہ ایسی محفل جس میں مرد عورتیں، جوان، نوعمر لڑکے باہم خلط ملط ہوں اور جس میں رقص وسرور اور چنگ ورباب کی گرم بازاری ہو یا ایسی محفل جس میں عورتیں الگ جمع ہو کر بلند آواز سے گاتی ہوں، حرام ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میلاد شریف کا منعقد کرنا ہی حرام ٹھہرا بلکہ مذکورہ بالا صورتوں میں حرمت میلاد شریف کے سلسلے میں اجتماع منعقد کرنے کی وجہ سے نہیں، بلکہ ان چیزوں کی بنا پر ہے، جو شریعت میں حرام ہیں اور اس مبارک اجتماع کے ساتھ مل گئی ہیں (اور اگر ان چیزوں کو نہ کیا جائے تو میلاد شریف ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محفل ہوگی) بلکہ اس قسم کے اُمور نمازِ جمعہ کے اجتماع پر پیش آئیں تو ظاہر ہے کہ یہ ایک قبیح حرکت اور بُری بات ہوگی، مگر اس سے نمازِ جمعہ کے اصل اجتماع کی مذمت لازم نہیں آتی۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اس قسم کے بعض اُمور، رمضان شریف کی راتوں میں بھی جب نمازِ تراویح کے لیے لوگ جمع ہوتے ہیں، پیش آجاتے ہیں۔ تو کیا ان اُمور کی وجہ سے نمازِ تراویح کے اجتماع کی مذمت کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ ہر گز نہیں! بلکہ ہم کہتے ہیں کہ نمازِ تراویح کا اصل اجتماع تو سنّت ہے اور نیکی اور عبادت کا کام ہے مگر جو مذکورہ بالا قسم کے اُمور اس کے ساتھ مل گئے ہیں، قبیح

اور شنیع ہیں۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میلاد کے سلسلے میں منعقد کیا جانے والا اجتماع تو بذاتِ خود مندوب اور نیکی کا کام ہے، مگر مذکورۃ الصدر قسم کے جو دیگر اُمور اس کے ساتھ مل گئے ہیں، مذموم وممنوع ہیں۔

آخری اعتراض کا رد

آخر میں فاکہانی کا یہ کہنا کہ ربیع الاوّل تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے ساتھ ساتھ آپ کی وفات کا مہینہ بھی ہے، لہٰذا اس میں غم وحزن کے بجائے خوشی ومسرت کا اظہار بہتر مناسب نہیں۔ اس کے جواب میں اوّل تو یہ عرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہم پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور آپ کی وفات ہمارے لیے سب سے بڑی مصیبت مگر شریعت نے نعمتوں پر اظہارِ شکر کی ترغیب دلائی ہے اور مصائب پر صبر وسکون اور خاموشی کی تلقین کی ہے۔ شریعت نے ولادت کے موقع پر عقیقہ کرنے کا حکم دیا ہے جس سے بچے کی پیدائش پر خوشی اور مسرت کا اظہار ہوا ہے اور موت کے وقت جانور ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا ہے اور نہ ہی ایسی کسی اور بات کا، بلکہ نوحہ جزع فزع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا قواعدِ شریعہ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس ماہِ مقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے سلسلے میں خوشی منانا وفات پر غم کرنے سے بہتر ہے۔ ابن رجب نے کتاب ''اللطائف'' میں روافض کی مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے باعث، عاشورہ کو یوم ماتم بنایا ہے، حالاں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انبیا کے مصائب اور وفات کے ایام کو بھی ایامِ ماتم بنانے سے منع کر دیا ہے۔ چہ جائے کہ ان کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ اہتمام کیا جائے۔

ابن الحاج کا مؤقف

امام ابو عبداللہ بن الحاج نے بھی اپنی کتاب المدخل میں میلاد شریف کے موضوع پر بڑی پختگی اور جزرسی سے کلام کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے میلاد شریف کی خوشی

منانے اور اس پر شکر کا اظہار کرنے کی تعریف کی ہے اور اس میں جو حرام وممنوع چیزیں شامل ہوگئی ہیں ان کی مذمت کی ہے۔ یہاں میں ان کا کلام فصل وار درج کرتا ہوں:

کچھ میلاد کے بارے میں

من جملہ ان بدعات کے جو ان لوگوں نے ایجاد کر رکھی ہیں اور اس کے ساتھ ہی وہ یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ یہ بہت بڑی عبادت اور اظہارِ شعائر (کسی امرِ عظیم کی یادگار منانا) ہے۔ یہ ہے کہ وہ ربیع الاوّل کے مہینے میں میلاد کرتے ہیں۔ جو بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان میں چند یہ کہ شرکاء نغمے اور غزلیں گاتے ہیں اور اس کے ساتھ آلاتِ موسیقی، ڈھولکیاں، بانسریاں اور سارنگیاں وغیرہ استعمال کرتے ہیں، اور اس سلسلے میں کئی اور بُری حرکتیں کرتے ہیں، جو اکثر رسمی طور پر وہ ان اوقات میں کیا کرتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے فضیلت وعظمت سے نوازا ہے (مثلاً عید وغیرہ کے مواقع) اور جو سراسر بدعات ومحرمات ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرح کا سماع، اگر اس کے علاوہ دوسری راتوں میں بھی کیا جائے تو بھی ناجائز ہے، چہ جائیکہ اسی ماہِ مقدس میں جسے خدائے بزرگ وبرتر نے فضیلت وبرکت بخشی ہے کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس میں پیدا کیا ایسا سماع کیا جائے جس میں آلاتِ طرب کا استعمال کیا جائے۔ ایسے سماع کو اس ماہِ مبارک کی عظمت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے، جس میں اللہ جل مجدہ نے ہم پر حضور سید الاوّلین والاخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ لہٰذا واجب ہے کہ اس مہینے میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا جائے اور زیادہ سے زیادہ عبادت اور خیرات کی جائے کہ اس نے ہمیں اس نعمت کبریٰ سے سرفراز فرمایا (کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس میں پیدا فرمایا)۔ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مہینے میں دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ عبادت نہیں فرمائی (اور نہ ہی اس کا حکم دیا ہے) مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا کرنا دراصل اپنی اُمت پر رحمت وشفقت کے باعث تھا اور ان کے لیے نرمی اور آسانی پیدا کرنے کے لیے تھا۔ اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی عمل چھوڑ دیتے تھے کہ کہیں یہ آپ کی اُمت پر فرض نہ ہو جائے، اور یہ حضور کی ہم پر رحمت کا نتیجہ ہے۔

تاہم حضور علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں اس ماہِ عظیم کی فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جب سائل نے آپ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں استفسار کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ذالك يوم ولدت فيه. یہ میرا روزِ ولادت ہے۔ (الحدیث)

چنانچہ اس دن (یعنی پیر) کی فضیلت اس مہینے (یعنی ربیع الاوّل) کی فضیلت کو متضمن ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرمائے عالم ہوئے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ اس کے احترام کا حق ادا کریں اور اس کو اس طرح افضل سمجھیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر مبارک مہینوں کو افضل قرار دیا ہے۔ اس ضمن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

انا سيد ولد ادم ولا فخر ادم فمن دونه تحت لوالى.

''میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، اور اس میں کوئی فخر کی بات نہیں۔ آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ دیگر تمام انبیا (قیامت کے دن) میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔''

اوقات و مقامات کی فضیلت، ان عبادات کے باعث ہوتی ہے جو اُن میں کی جاتی ہیں اور جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصیت بخشی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ اوقات و مقامات کو بذاتِ خود کوئی شرافت و بزرگی حاصل نہیں ہوتی بلکہ یہ شرافت و بزرگی ان خصائص و امتیازات کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے (جن سے اسے سرفراز فرمایا جاتا ہے)۔ تو غور کرو اس عظیم ترین نعمت پر جس سے اللہ تعالیٰ نے اس ماہِ مبارک ربیع الاوّل شریف کو اور پیر کے دن کو مخصوص و ممتاز فرمایا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ پیر کے دن کے روزہ کی بڑی فضیلت ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں پیدا ہوئے۔ اس لیے نہایت مناسب ہے کہ (اور ہمیں چاہیے) کہ جب یہ ماہِ مقدس آئے تو اس کے شایانِ شان اس کی تعظیم و تکریم اور اجلال و احترام کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی جائے کہ حضور بذاتِ اقدس، افضل اوقات میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور خیرات کرتے اور ان کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ کیا حضرت

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول تمہاری نظر سے نہیں گزرا کہ: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس بالخیر و کان اجود ما یکون فی رمضان۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان شریف میں سب سے زیادہ سخاوت فرمایا کرتے تھے۔''

احترام ربیع الاوّل کیوں ضروری ہے؟

اور اس سلسلے میں ایک اشتباہ کا ازالہ!

اس لیے فضیلت والے اوقات کی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تعظیم فرمائی ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق ربیع الاوّل شریف میں یہی فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اوقاتِ فاضلہ کے سلسلے میں جو التزام فرمایا ہے وہ تو معلوم ہے، لیکن جو التزام دوسرے مہینوں میں فرمایا ہے وہ اس مہینے (یعنی ربیع الاوّل شریف) میں نہیں فرمایا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ عادتِ کریمہ تھی کہ آپ اُمت کے لیے تخفیف چاہتے تھے، خاص کر ان اُمور میں جو آپ کی ذاتِ مبارک کے ساتھ تھے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ منورہ کو اسی طرح حرم قرار دیا جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکّہ مکرمہ کو قرار دیا تھا، مگر آپ نے مدینہ شریف میں شکار کرنے، درخت کاٹنے وغیرہ پر کوئی سزا مقرر نہیں فرمائی اور ایسا اُمت کے لیے تخفیف و رحمت کے طور پر کیا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ دیکھا کرتے تھے کہ کونسی چیز ان کے اپنی ذات سے خاص ہے۔ اگرچہ وہ فی نفسہٖ فضیلت ہوتی، لیکن آپ اُمت پر تخفیف کی خاطر اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ ربیع الاوّل شریف کی تعظیم اسی قبیل سے ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ نیک اعمال اور صدقات و خیرات کیے جائیں۔ جو ایسا نہیں کر سکتا (یعنی کسی وجہ سے اِن اُمور کو سر انجام نہیں دے سکتا) تو کم از کم اسے یہ چاہیے کہ اس مقدس مہینے کی تعظیم کے پیشِ نظر حرام اور مکروہ باتوں سے مجتنب رہے۔ اگرچہ یہ اُمور دوسرے مہینوں میں بھی کرنے مطلوب ہیں مگر یہ مہینہ تو سب سے زیادہ احترام کے لائق ہے۔ جیسے رمضان المبارک اور دوسری حرمت

والے مہینوں میں زیادہ سے زیادہ محتاط رہتا ہے۔ حدث فی الدین کو چھوڑ دیتا ہے اور دوسری غیر مناسب باتوں سے مجتنب رہتا ہے۔

ابن الحاج کی تنقید

مگر موجودہ زمانے میں بعض لوگ اس کے برخلاف عمل کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں اور وہ یہ کہ جب یہ بابرکت مہینہ آتا ہے تو آلات موسیقی کے ساتھ لہو لعب میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ وہ راگ رنگ کرتے ہیں اور پھر یہ زعم رکھتے ہیں کہ وہ اس ماہِ مبارک کا احترام کر رہے ہیں۔ طرفہ یہ کہ وہ قرآنِ مجید کی تلاوت سے میلاد شریف کی ابتدا کرتے ہیں اور پھر لذتِ نفس کے لیے جذبات میں اضطراب و ہیجان پیدا کرنے کے فن میں جو زیادہ ماہر ہو، اُسے لاجاتا ہے۔ اس میں کئی مفاسد اور خرابیاں کارفرما ہیں مگر وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ بعض تو اس میں ایک اور خطرناک بات کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں کہ مغنی نوجوان ہوتا ہے، خوب صورت، خوش آواز، نفیس لباس اور حسین ہیئت رکھتا ہے۔ غزل پڑھتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آواز میں زیر و بم اور حرکات میں اُتار چڑھاؤ پیدا کرتا جاتا ہے اور یوں حاضرین مرد اور عورتوں کو فتنے میں ڈال دیتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ فریقین فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں اور دیگر بے شمار خرابیاں جڑ پکڑتی ہیں۔ بعض انتہائی صورتوں میں اس سے مرد اور بیوی کا حال تباہ ہو جاتا ہے اور ان میں جدائی تک کی نوبت آجاتی ہے اور یوں تباہی اور بربادی کا وہ دور شروع ہوتا ہے جس سے بنا بنایا گھر اُجڑ جاتا ہے اور ذہن و قلب کا سکون لٹ جاتا ہے۔ یہ خرابیاں اس قسم کا میلاد شریف کرانے کا نتیجہ ہوتی ہیں جب ساتھ میں سماع بھی کیا جائے۔ ہاں اگر میلاد شریف ان خرابیوں (اور اس قسم کے سماع) سے خالی ہو، صرف کھانا پکایا جائے اور اس سے میلاد کی نیت ہو۔ اس میں اپنے مسلمان بھائیوں کو بلائے اور جن غیر شرعی اُمور اور حرکاتِ مذبوحی کی اوپر نشان دہی کی گئی ہے، ان سے محفوظ ہو تو یہ محض اس کی نیت کی وجہ سے بدعت ہے، کیوں کہ یہ دین میں زائد چیز ہے اور سلف صالحین نے اسے نہیں کیا اور ظاہر ہے کہ سلف کی اتباع ہی بہتر اور اولیٰ ہے۔ سلف میں سے کسی سے یہ نقل نہیں کیا گیا اور نہ ہی

کسی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اس نے میلاد شریف کی نیت کی اور ہم انہیں کے پیرو کار ہیں اور اس کے مکلّف جس کے وہ تھے (اس لیے ہم وہ ہی کریں گے جو انہوں نے کیا)۔

حاصلِ تنقید

ابن الحاج کے مذکورۃ الصدر بیان کا حاصل یہ ہے کہ انہوں نے میلاد شریف کی مذمت نہیں کی بلکہ ان چیزوں کی مذمت کی ہے جو شرعاً حرام اور مکروہ ہیں۔ ان کے آغازِ کلام سے واضح ہوجاتا ہے کہ اس ماہِ مقدس کو خصوصیت دی جائے اور اس کی تعظیم وتکریم کی جائے، اس میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کیے جائیں، بڑھ چڑھ کر عبادت وخیرات وصدقات اور ایسی ہی دوسری نیکیاں کی جائیں۔ میلاد شریف منانے کا یہ وہ طریقہ ہے جسے انہوں نے مستحسن قرار دیا ہے۔ کیوں کہ اس میں تلاوتِ قرآن مجید اور دعوتِ طعام کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور یہ خیر وثواب کا کام ہے۔ جہاں تک ان کے اس قول کا تعلق ہے کہ یہ بدعت ہے تو یہ یا تو ان کے پہلے بیان کے خلاف ہے (جس میں خود ابن الحاج نے ربیع الاوّل شریف کی تعظیم پر زور دیا ہے)۔ یہ ہوگا کہ میلاد شریف ایک کارِ خیر اور پسندیدہ کام ہے اور بدعت میلاد شریف کی نیت ہے۔ جیسا کہ اپنے اس قول میں انہوں نے اس طرف اشارہ کیا ہے:

"فھو بدعة بنفس نیته فقط" "یہ محض اس کی نیت کی وجہ سے بدعت ہے۔"

اس کا علمی محاسبہ

رہا ابن الحاج کا یہ کہنا کہ سلف میں سے کسی کے بارے میں نقل نہیں کیا گیا کہ اس نے میلاد کی نیت کی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے میلاد شریف کی نیت کو مکروہ کہا ہے، اور کھانا پکانے اور مسلمان بھائیوں کو اس کی دعوت دینے کو مکروہ نہیں کہا۔ اور کھانا پکانا اور اپنے مسلمان بھائیوں کو اس کی دعوت دینا ان کی نظر میں بھی مکروہ نہیں ہے۔ اس پر اگر نظرِ تحقیق ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ قول ان کے پہلے کلام کے مطابق نہیں ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے پہلے تو ربیع الاوّل شریف میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے، زیادہ سے زیادہ

عبادت وخیرات اور دیگر اُمورِ خیر سرانجام دینے کی تلقین کی ہے کہ اس نے اس ماہِ مقدس میں اپنے حبیب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرمایا۔ میلاد شریف کی نیت سے یہی تو مراد ہے پہلے ایک بات زور دے کر پھر اس کی مذمت کیسے کی جاسکتی ہے؟ بلکہ مجرد نیکی وعبادت، خیرات وغیرہ اور دیگر اُمورِ خیر بغیر نیت کے دراصل تصور بھی نہیں کیے جاسکتے اور اگر تصور بھی کر لیے جائیں تو یہ عبادت نہیں ہوسکتے اور نہ ہی ان سے ثواب ملتا ہے۔ اس لیے کہ کوئی عمل بغیر نیت کے قابلِ قبول نہیں اور میلاد شریف میں نیت تو ربیع الاوّل شریف میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کی ہی ہوتی ہے۔ میلاد شریف کی نیت سے یہی مراد ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نیتِ مستحسنہ (یعنی ایک نیت) ہے اس پر اچھی طرح سے غور کرو (اور اسے خوب ذہن نشین کرلو)۔

میلاد کی ایک انوکھی صورت

اس کے بعد ابن الحاج کہتے ہیں کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو میلاد کو مجرد تعظیم کے لیے نہیں کرتے، بلکہ کسی شخص کے مختلف لوگوں کے پاس روپے پیسے بکھرے ہوتے ہیں[1] جو اس نے بعض مواقع اور تقریبات پر انہیں دے رکھے ہوتے ہیں، اور وہ یہ چاہتا ہے کہ انہیں واپس حاصل کرلے، مگر مانگنے سے شرماتا ہے۔ چنانچہ وہ میلاد کا اہتمام کرتا ہے، اور یا یہی لوگوں کے پاس اس کا جمع شدہ مال ہے، کی بازیابی کا سبب بن جاتی ہے۔ اس میں کئی طرح کی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں نفاق پایا جاتا ہے جو کچھ وہ ظاہر کرتا ہے، دل میں اس کے خلاف موجود ہوتا ہے۔ ظاہر یہ کرتا ہے کہ وہ میلاد شریف اس لیے کر رہا ہے کہ اس سے آخرت کی بھلائی حاصل کرنا چاہتا ہے، اور دل میں یہ ہوتا ہے کہ اس کے جو روپے پیسے لوگوں کے پاس متفرق ہیں، انہیں واپس حاصل کرے۔ بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو میلاد شریف اس لیے کرتے ہیں کہ لوگوں سے پیسے بٹوریں یا لوگ ان کی تعریف (وستائش) کریں

[1] یہ محض مبالغہ آرائی ہے کم ازکم ہمارے دیکھنے میں ایسا کوئی شخص نہیں آیا کہ جس نے اس مقصد کے لیے میلاد کر دیا ہو کہ وہ لوگوں کے پاس اپنی متفرق رقم کو اکٹھا کرے۔ (مترجم عفی عنہ)

کہ (واہ بھئی واہ! کتنا اچھا کام کیا) اور اس کے ساتھ مل جل کر کام کریں (جس سے یہ ظاہر ہو کہ کتنے لوگ اس کے ساتھ ہیں) اس صورت میں بھی جو مفاسد اور خرابیاں موجود ہیں، پوشیدہ نہیں۔"

قباحت کا اصلی سبب

ابن الحاج کی یہ تنقید بھی اس قسم کی ہے جس کا جائزہ اوپر لیا جا چکا ہے۔ اس میں جو خرابی (یا مذمت) موجود ہے وہ عدم نیتِ صالحہ (یعنی صالح نیت نہ ہونے) کی بنا پر ہے، نہ یہ کہ اصل میلاد شریف میں کوئی خرابی یا مذمت کا پہلو پایا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن حجر کا موقف

شیخ الاسلام حافظ العصر ابو الفضل احمد بن حجر سے میلاد شریف کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے جو جواب دیا وہ یہ کہ: میلاد شریف دراصل بدعت ہے جو قرونِ ثلاثہ میں کسی سلف صالح سے منقول ہے، تاہم اس میں محاسن اور قبائح دونوں پائے جاتے ہیں (یعنی بعض اوقات اس میں محاسن پائے جاتے ہیں اور بعض اوقات قبائح) اگر میلاد شریف میں صرف محاسن ہی کا ارتکاب کیا جائے اور قبائح سے اجتناب برتا جائے، تو یہ بدعتِ حسنہ ہے ورنہ نہیں۔

میلاد شریف کی اصل

فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی ایک مضبوط اصل صحیح بخاری و مسلم شریف میں ملی ہے۔ وہ یہ کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تم کیوں ایسا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس سے نجات عطا فرمائی تھی، لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر روزہ رکھتے ہیں[1] اس سے کسی خاص دن جس میں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت

عطا فرمائی ہو یا کوئی نعمت (مصیبت) دور کی ہو، اس کا شکر ادا کرنا اور اس سلسلے میں کسی نیک کام کرنے اور ہر سال اسے یادگار کے طور پر منانے کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار مختلف قسم کی عبادتوں، سجود و قیام، صدقہ و خیرات اور تلاوتِ قرآن مجید سے ہوتا ہے۔ اس روز (یعنی ۱۲ ربیع الاوّل) کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے بڑی اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔ اس دن کو خاص طور پر منایا جائے تا کہ اس دن عاشورا کے دن موسیٰ علیہ السلام والے واقعہ سے مطابقت پیدا ہو جائے۔ بعض لوگ [1] اسے خاص نہیں رکھتے اور ربیع الاوّل کے کسی دن میلاد شریف کر لیتے ہیں، بلکہ بعض لوگوں نے اس میں بھی توسیع کی ہے اور اس کا دائرۂ کار سال تک بڑھا دیا ہے۔ ان کے نزدیک سال کے کسی بھی دن میلاد شریف کیا جا سکتا ہے۔ مقصد اس کا بھی وہی ہوتا ہے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانا)۔ یہ گفتگو تو اصل میلاد سے متعلق تھی۔

خلافِ اولیٰ چیزوں کا ترک بہتر ہے

جہاں تک ان اعمال کا تعلق ہے جو میلاد شریف میں کیے جاتے ہیں، تو چاہیے کہ صرف ان اُمور پر اکتفا کیا جائے جن سے اللہ تعالیٰ کے شکر کا بجا طور پر اظہار ہو۔ مثلاً مذکورہ بالا اُمور، تلاوتِ قرآن مجید، دعوتِ طعام، صدقہ و خیرات، نعتِ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور ایسے اشعار پڑھنا جن سے دل زُہد و عبادت کی طرف مائل ہو اور اُمورِ خیر کو سرانجام دینا اور آخرت کے لیے عمل کرنے کی تحریک ہو اور وہ باتیں جو از قبیلِ سماع اور لہو اور سرور وغیرہ کی ہیں، ان سے اجتناب کیا جائے اور ان باتوں کو اختیار کیا جائے جو کہ دائرۂ اباحت میں داخل ہوں۔ جس سے اس دن خوشی کا اظہار ہوتا ہو، ایسی چیزیں کرنے میں کوئی قباحت نہیں اور جو چیزیں از قبیل حرام و مکروہ ہوں ان سے احتراز کیا جائے۔ ایسے ہی جو چیزیں خلافِ اولیٰ اور غیر مناسب ہوں ان کو بھی ترک کر دیا جائے۔

---

[1] حدیث شریف میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ کا یہ بیان سن کر فرمایا: ہم موسیٰ علیہ السلام کے تم سے زیادہ قریب ہیں اور ان کی اتباع کا ہم تمہاری نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے بھی یوم عاشورہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (ناچیز مترجم عفی عنہ)

میلاد شریف کی ایک اور اصل

مَیں کہتا ہوں کہ مجھے بھی میلاد شریف کی ایک اور اصل حدیث شریف میں ملی ہے۔ وہ یہ کہ بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے نبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔ جب کہ حضور کے دادا حضرت عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں روز آپ کا عقیقہ کر دیا تھا[1] اور عقیقہ ایک بار ہی کیا جاتا ہے دوسری بار نہیں کیا جاتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ نے ایسا اظہارِ تشکر کے طور پر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں رحمۃ اللعالمین بنا کر پیدا فرمایا اور اس سے اُمت کے لیے شرعی مثال قائم فرمانا بھی مقصود تھی جیسا کہ حضور سید عالم ﷺ خود بھی اپنے اوپر درود شریف پڑھا کرتے تھے، تاکہ اس کو اُمت کے لیے شرعی اُصول بنا دیں، لہٰذا ہمارے لیے مستحب ہے کہ ہم میلاد شریف منعقد کر کے حضور پاک ﷺ کی ولادت پر اظہارِ تشکر کریں، جس میں دعوتِ طعام ہو اور اس طرح کے دیگر اُمورِ خیر سرانجام دیے جائیں اور خوشیاں منائی جائیں۔

ابن الجزری کی ایمان افروز دلیل

امام القراء حافظ شمس الدین ابن الجزری کی کتاب "عرف التعریف بالمولد الشریف" میری نظر سے گزری ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ابولہب کو موت کے بعد خواب میں کسی نے دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے؟ کہنے لگا: عذاب ہو رہا ہے مگر شب دوشنبہ (یعنی پیر کی رات کو) میرے عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے اور میں اپنی انگلی سے پانی چوس لیتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے انگلی کی طرف اشارہ کیا کیوں کہ میں نے اس کے اشارے سے اپنی لونڈی ثویبہ کو جب اس نے مجھے نبی اکرم ﷺ کی ولادت کی خوش خبری دی تھی، آزاد کر دیا تھا اور اس نے حضور ﷺ کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی تھی۔ غور کیجیے کہ اگر ابولہب جو کہ کافر ہے اور جس کی مذمت قرآن مجید میں بھی آئی ہے، کو نبی کریم ﷺ کی ولادتِ طیبہ

[1] یہ حدیث بخاری شریف میں بھی مروی ہے۔ عینی شرح بخاری میں ہے کہ یہ صاحب حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔

کی خوشی کرنے کی جزا دی گئی، تو اس مخلص اور موحد مسلمان کا کیا حال ہوگا جو حضور ﷺ کی اُمت سے ہے اور آپ کی ولادت کی خوشی کرتا ہے اور حضور کی محبت سے سرشار ہوکر حتی المقدور خرچ بھی کرتا ہے۔ مجھے ربِّ ذوالجلال کی قسم! اسے اللہ کریم کی طرف سے یہی جزا ملے گی کہ وہ اسے اپنے فضل وکرم سے جنتِ نعیم میں داخل فرمائے گا۔

دمشقی کی روح پرور نعتِ میلاد

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے اپنی کتاب "مورد الصادی فی مولد الهادی" میں لکھا ہے: یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ابولہب پر ہر پیر کے دن عذاب کی تخفیف کی جاتی ہے کیوں کہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ شعر کہے ہیں:

اذا کان هذا کافرا جاء ذمه   تبت یداه فی الجحیم مخلدا

یہ کافر تھا جب کہ اس کی مذمت کتاب اللہ میں آئی ہے ٹوٹ گئے اس کے دونوں ہاتھ اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

اتی انه فی یوم الاثنین دائما   یخفف عنه للسرور باحمدا

حدیث میں آیا ہے کہ ہر پیر کے دن اس سے عذاب میں تخفیف کی جاتی ہے کہ اس نے حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کی تھی۔

فما الظن الذی بالعبد الذی طول عمره   باحمد مسرور اومات موحدا

کیا خیال ہے اس بندۂ مومن کے بارے میں جو حضور کی ولادت کی خوشیاں مناتا رہا اور توحید (وایمان) کی حالت میں جان خدا تعالیٰ کے سپرد کر دی۔

اور ایک شیخ طریقت کا عمل

کمال ادفری الطالع السعید میں فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے ثقہ دوست ناصر الدین محمود بن العماد نے بیان کیا کہ ابوالطیب محمد بن ابراہیم سبتی مالکی نزیل قوص، جو علمائے

باعمل سے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یومِ ولادت (۱۲ ربیع الاوّل) کو مدرسے کے پاس سے گزرتے اور کہا کرتے تھے: ''اے فقیہ یہ روزِ عید ہے۔ بچوں کو چھٹی کردو اور اپنے گھر واپس بھیج دو۔'' تو وہ ہمیں چھٹی دے کر گھر واپس بھیج دیتے۔ یہ ان کی تقریر...... اور عدمِ انکار کی دلیل ہے اور یہ صاحب مذہب امام مالک کے نامور فقیہ اور کئی علوم میں صاحبِ فن، متقی اور متورع بزرگ تھے۔ ان سے ابوحیان وغیرہ نے اخذ کیا ہے۔ وفات ان کی ۶۹۵ ھ میں ہوئی۔

فائدہ: ابن الحاج نے لکھا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ماہِ ربیع الاوّل اور پیر کے روز ہوئی اور رمضان شریف میں نہیں ہوئی جو قرآن کے نزول کا مہینہ ہے اور جس میں لیلۃ القدر پائی جاتی ہے، نہ حرمت والے مہینوں (اشہرحرم) میں۔ نہ ہی پندرہ شعبان المعظم کی رات کو، نہ ہی جمعہ کے دن یا شب جمعہ کو۔ اس کا جواب چار وجوہ سے دیا جاسکتا ہے۔ ایک یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درختوں کو پیر کے دن تخلیق فرمایا۔ اس میں بڑی تنبیہ ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں خوراک، رزق، میوہ جات اور خیرات کی چیزیں تخلیق فرمائی ہیں۔ بنی نوع انسان کی نشو ونما اور گزران سے وابستہ ہے، جن سے ان کے نفوس خوش ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ربیع کے لفظ میں اُس کے اشتقاق کی نسبت سے ایک اچھا اشارہ اور نیک فال پائی جاتی ہے۔ ابو عبدالرحمن صقلی فرماتے ہیں کہ ہر ایک انسان کے لیے اس کے نام سے اس کا حصہ ہے۔ (یعنی نام کا اس کے بدن پر اثر پڑے گا) تیسرے یہ کہ ربیع (یعنی بہار) کا موسم سب موسموں سے معتدل اور حسین ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت بھی سب شریعتوں سے زیادہ معتدل اور آسان ہے۔ چوتھے یہ کہ اللہ حکیم وعلیم نے چاہا کہ اس وقت کو خصوصی مشرف فرمائے جس میں آپ اس دنیا میں تشریف لائیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مذکورہ بالا اوقاتِ فاضلیہ میں پیدا ہوتے تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت ان اوقات کی وجہ سے ہے۔

☆☆☆

حسن المقصد في عمل المولد

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء)

فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن
523/7، وحید کتب مارکیٹ، مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی ۶
رابطہ: 09867934085
ای میل: abdullahalchisti@yahoo.com
www.falaah.co.uk

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى، وبعد، فقد وقع السؤال عن عمل المولد النبوى فى شهر ربيع الأول، ما حكمه من حيث الشرع؟ وهل هو محمود أو مذموم؟ وهل يثاب فاعله أو لا؟

الجواب: عندى أن أصل عمل المولد الذى هو اجتماع الناس وقراءة ما تيسر من القرآن ورواية الأخبار الواردة فى مبدأ أمر النبى صلى الله عليه وسلم وما وقع فى مولده من الآيات. ثم يمد لهم سماط يأكلونه وينصرفون من غير زيادة على ذلك - هو من البدع الحسنة التى يثاب عليها صاحبها لما فيه من تعظيم قدر النبى صلى الله عليه وسلم وإظهار الفرح والاستبشار بمولده الشريف. وأول من أحدث فعل ذلك صاحب إربل الملك المظفر أبو سعيد كوكبرى بن زين الدين على بن بكتكين، أحد الملوك الأمجاد والكبراء الأجواد، وكان له آثار حسنة، وهو الذى عمر الجامع المظفرى بسفح قاسيون. قال ابن كثير فى تاريخه: كان يعمل المولد الشريف فى ربيع الأول ويحتفل به احتفالا هائلا. وكان شهما شجاعا بطلا عاقلا عالما عادلا. رحمه الله وأكرم مثواه. قال: وقد صنف له الشيخ أبو الخطاب ابن دحية مجلدا فى المولد النبوى سماه (التنوير فى مولد البشير النذير)، فأجازه على ذلك بألف دينار. وقد طالت مدته فى الملك إلى أن مات وهو محاصر للفرنج بمدينة عكا سنة ثلاثين وستمائة، محمود السيرة والسريرة۔

وقال سبط ابن الجوزى فى مرآة الزمان: حكى بعض من حضر سماط المظفر فى بعض الموالد أنه عد فى ذلك السماط خمسة آلاف رأس

غنم شوى وعشرة آلاف دجاجة ومائة فرس ومائة ألف زبدية و ثلاثين ألف صحن حلوى، قال: وكان ينحصر عنده فى المولد أعيان العلماء والصوفية، فيخلع عليهم ويطلق لهم، ويعمل للصوفية سماعا من الظهر إلى الفجر، ويرقص بنفسه معهم، وكان يصرف على المولد فى كل سنة ثلاثمائة ألف دينار، وكانت له دار ضيافة للوافدين من أى جهة على أى صفة، فكان يصرف على هذه الدار فى كل سنة مائة ألف دينار، وكان يستفك من الفرنج فى كل سنة أسارى بمائتى ألف دينار، وكان يصرف على الحرمين والمياه بدرب الحجاز فى كل سنة ثلاثين ألف دينار، هذا كله سوى صدقات السر، وحكت زوجته ربيعة خاتون بنت أيوب أخت الملك الناصر صلاح الدين أن قميصه كان من كرباس غليظ لا يساوى خمسة دراهم، قالت: فعاتبته فى ذلك، فقال: لبسى ثوبا بخمسة وأتصدق بالباقى خير من أن ألبس ثوبا مثمنا وأدع الفقير والمسكين۔

وقال ابن خلكان فى ترجمة الحافظ أبى الخطاب بن دحية: كان من أعيان العلماء ومشاهير الفضلاء، قدم من المغرب، فدخل الشام والعراق واجتاز بإربل سنة أربع وستمائة، فوجد ملكها المعظم مظفر الدين بن زين الدين يعتنى بالمولد النبوى، فعمل له كتاب التنوير فى مولد البشير النذير، وقرأه عليه بنفسه، فأجازه بألف دينار، قال: وقد سمعناه على السلطان فى ستة مجالس فى سنة خمس وعشرين وستمائة۔ انتهى۔

وقد ادعى الشيخ تاج الدين عمر بن على اللخمى السكندرى المشهور بالفاكهانى من متأخرى المالكية أن عمل المولد بدعة مذمومة، وألف فى ذلك كتابا سماه: (المورد فى الكلام على عمل المولد)،

وأنا أسوقه هنا برمته وأتكلم عليه حرفا حرفا.

قال رحمه الله: الحمد لله الذى هدانا لاتباع سيد المرسلين، وأيدنا بالهداية إلى دعائم الدين ويسر لنا اقتفاء أثر السلف الصالحين، حتى امتلأت قلوبنا بأنوار علم الشرع وقواطع الحق المبين، وطهر سرائرنا من حدث الحوادث والابتداع فى الدين، أحمده على ما من به من أنوار اليقين، وأشكره على ما أسداه من التمسك بالحبل المتين، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدا عبده ورسوله سيد الأولين والآخرين، صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه وأزواجه الطاهرات أمهات المؤمنين صلاة دائمة إلى يوم الدين.

أما بعد، فإنه تكرر سؤال جماعة من المباركين عن الاجتماع الذى يعمله بعض الناس فى شهر ربيع الأول، ويسمونه المولد، هل له أصل فى الشرع أو هو بدعة وحدث فى الدين؟ وقصدوا الجواب عن ذلك مبينا والإيضاح عنه معينا. فقلت وبالله التوفيق: لا أعلم لهذا المولد أصلا فى كتاب ولا سنة، ولا ينقل عمله عن أحد من علماء الأمة الذين هم القدوة فى الدين المتمسكون بآثار المتقدمين، بل هو بدعة أحدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الأكالون، بدليل أنا إذا أدرنا عليه الأحكام الخمسة قلنا: إما أن يكون واجبا أو مندوبا أو مباحا أو مكروها أو محرما. وليس بواجب إجماعا ولا مندوبا ؛ لأن حقيقة المندوب ما طلبه الشرع من غير ذم على تركه، وهذا لم يأذن فيه الشرع ولا فعله الصحابة ولا التابعون المتدينون فيما علمت، وهذا جوابى عنه بين يدى الله تعالى إن عنه سئلت، ولا جائز أن يكون مباحا؛ لأن الابتداع فى الدين ليس مباحا بإجماع المسلمين، فلم يبق إلا أن يكون مكروها أو حراما. وحينئذ يكون الكلام فيه فى فصلين،

والتفرقة بين حالين:

أحدهما: أن يعمله رجل من عين ماله لأهله وأصحابه وعياله، لا يجاوزون في ذلك الاجتماع على أكل الطعام ولا يقترفون شيئا من الآثام، وهذا الذي وصفناه بأنه بدعة مكروهة وشناعة؛ إذ لم يفعله أحد من متقدمي أهل الطاعة الذين هم فقهاء الإسلام وعلماء الأنام سرج الأزمنة وزين الأمكنة.

والثاني: أن تدخله الجناية وتقوى به العناية حتى يعطى أحدهم الشيء ونفسه تتبعه وقلبه يؤلمه ويوجعه لما يجد من ألم الحيف، وقد قال العلماء: أخذ المال بالحياء كأخذه بالسيف لا سيما إن انضاف إلى ذلك شيء من الغناء - مع البطون الملأى - بآلات الباطل من الدفوف والشبابات واجتماع الرجال مع الشباب المرد والنساء الفاتنات، إما مختلطات بهن أو مشرفات، والرقص بالتثني والانعطاف والاستغراق في اللهو ونسيان يوم المخاف، وكذلك النساء إذا اجتمعن على انفرادهن رافعات أصواتهن بالتهنيك والتطريب في الإنشاد، والخروج في التلاوة والذكر المشروع والأمر المعتاد غافلات عن قوله تعالى: (إن ربك لبالمرصاد) وهذا الذي لا يختلف في تحريمه اثنان، ولا يستحسنه ذوو المروءة الفتيان، وإنما يحلو ذلك لنفوس موتى القلوب و غير المستقلين من الآثام والذنوب، وأزيدك أنهم يرونه من العبادات لا من الأمور المنكرات المحرمات، وإنا لله وإنا إليه راجعون، بدأ الإسلام غريبا وسيعود كما بدأ، ولله در شيخنا القشيري حيث يقول فيما أجازناه:

قد عرف المنكر واستنكر المعروف في أيامنا الصعبه وصار أهل العلم في وهدة

وصار أهل الجهل فى ريبه حادوا عن الحق، فما للذى
ساروا به فيما مضى نسبه فقلت للأبرار أهل التقى
والدين لما اشتدت الكربه لا تنكروا أحوالكم قد أتت
نوبتكم فى زمن الغربه

ولقد أحسن الإمام أبو عمرو بن العلاء حيث يقول: لا يزال الناس بخير ما تعجب من العجب. هذا مع أن الشهر الذى ولد فيه صلى الله عليه وسلم وهو ربيع الأول هو بعينه الشهر الذى توفى فيه. فليس الفرح فيه بأولى من الحزن فيه . وهذا ما علينا أن نقول، ومن الله تعالى نرجو حسن القبول .

هذا جميع ما أورده الفاكهانى فى كتابه المذكور. وأقول: أما قوله: لا أعلم لهذا المولد أصلا فى كتاب ولا سنة. فيقال عليه: نفى العلم لا يلزم منه نفى الوجود، وقد استخرج له إمام الحفاظ أبو الفضل ابن حجر أصلا من السنة، واستخرجت له أنا أصلا ثانيا. وسيأتى ذكرها بعد هذا. وقوله: بل هو بدعة أحدثها البطالون، إلى قوله: ولا العلماء المتدينون، يقال عليه: قد تقدم أنه أحدثه ملك عادل عالم وقصد به التقرب إلى الله تعالى، وحضر عنده فيه العلماء والصلحاء من غير نكير منهم، وارتضاه ابن دحية وصنف له من أجله كتابا. فهؤلاء علماء متدينون رضوه وأقروه ولم ينكروه. وقوله: ولا مندوبا ؛ لأن حقيقة المندوب ما طلبه الشرع. يقال عليه: إن الطلب فى المندوب تارة يكون بالنص وتارة يكون بالقياس، وهذا وإن لم يرد فيه نص، ففيه القياس على الأصلين الآتى ذكرهما. وقوله: ولا جائز أن يكون مباحا؛ لأن الابتداع فى الدين ليس مباحا بإجماع المسلمين، كلام غير مسلم ؛ لأن البدعة لم تنحصر فى الحرام والمكروه، بل قد تكون

أيضا مباحة ومندوبة وواجبة، قال النووى فى تهذيب الأسماء واللغات: البدعة فى الشرع هى إحداث ما لم يكن فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وهى منقسمة إلى حسنة وقبيحة. وقال الشيخ عز الدين بن عبد السلام فى القواعد: البدعة منقسمة إلى واجبة ومحرمة ومندوبة ومكروهة ومباحة. قال: والطريق فى ذلك أن نعرض البدعة على قواعد الشريعة، فإذا دخلت فى قواعد الإيجاب فهى واجبة، أو فى قواعد التحريم فهى محرمة، أو الندب فمندوبة، أو المكروه فمكروهة، أو المباح فمباحة، وذكر لكل قسم من هذه الخمسة أمثلة إلى أن قال: وللبدع المندوبة أمثلة: منها إحداث الربط والمدارس وكل إحسان لم يعهد فى العصر الأول، ومنها التراويح والكلام فى دقائق التصوف وفى الجدل، ومنها جمع المحافل للاستدلال فى المسائل إن قصد بذلك وجه الله تعالى، وروى البيهقى بإسناده فى مناقب الشافعى عن الشافعى قال: المحدثات من الأمور ضربان، أحدهما: ما أحدث مما يخالف كتابا أو سنة أو أثرا أو إجماعا، فهذه البدعة الضلالة، والثانى: ما أحدث من الخير لا خلاف فيه لواحد من هذا، وهذه محدثة غير مذمومة، وقد قال عمر رضى الله عنه فى قيام شهر رمضان: "نعمت البدعة هذه". يعنى أنها محدثة لم تكن، وإذ كانت فليس فيها رد لما مضى - هذا آخر كلام الشافعى، فعرف بذلك منع قول الشيخ تاج الدين: ولا جائز أن تكون مباحا. إلى قوله: وهذا الذى وصفناه بأنه بدعة مكروهة. إلى آخره؛ لأن هذا القسم مما أحدث وليس فيه مخالفة لكتاب ولا سنة ولا أثر ولا إجماع. فهى غير مذمومة كما فى عبارة الشافعى، وهو من الإحسان الذى لم يعهد فى العصر الأول، فإن إطعام الطعام الخالى عن اقتراف الآثام إحسان، فهو من البدع المندوبة كما فى عبارة ابن عبد السلام،

وقوله: والثانى، إلى آخره هو كلام صحيح فى نفسه غير أن التحريم فيه إنما جاء من قبل هذه الأشياء المحرمة التى ضمت إليه لا من حيث الاجتماع لإظهار شعار المولد، بل لو وقع مثل هذه الأمور فى الاجتماع لصلاة الجمعة مثلا لكانت قبيحة شنيعة، ولا يلزم من ذلك ذم أصل الاجتماع لصلاة الجمعة، كما هو واضح، وقد رأينا بعض هذه الأمور يقع فى ليالى رمضان عند اجتماع الناس لصلاة التراويح، فهل يتصور ذم الاجتماع لصلاة التراويح لأجل هذه الأمور التى قرنت بها ؟ كلا بل نقول: أصل الاجتماع لصلاة التراويح سنة وقربة، وما ضم إليها من هذه الأمور قبيح وشنيع، وكذلك نقول: أصل الاجتماع لإظهار شعار المولد مندوب وقربة، وما ضم إليه من هذه الأمور مذموم وممنوع، وقوله: مع أن الشهر الذى ولد فيه، إلى آخره - جوابه أن يقال أولا: إن ولادته صلى الله عليه وسلم أعظم النعم علينا، ووفاته أعظم المصائب لنا، والشريعة حثت على إظهار شكر النعم والصبر والسكون والكتم عند المصائب، وقد أمر الشرع بالعقيقة عند الولادة، وهى إظهار شكر وفرح بالمولود، ولم يأمر عند الموت بذبح ولا بغيره بل نهى عن النياحة وإظهار الجزع، فدلت قواعد الشريعة على أنه يحسن فى هذا الشهر إظهار الفرح بولادته صلى الله عليه وسلم دون إظهار الحزن فيه بوفاته، وقد قال ابن رجب فى كتاب اللطائف فى ذم الرافضة حيث اتخذوا يوم عاشوراء مأتما لأجل قتل الحسين: لم يأمر الله ولا رسوله باتخاذ أيام مصائب الأنبياء وموتهم مأتما، فكيف ممن هو دونهم ؟!

وقد تكلم الإمام أبو عبد الله بن الحاج فى كتابه المدخل على عمل المولد، فأتقن الكلام فيه جدا، وحاصله مدح ما كان فيه من

إظهار شعار وشكر، وذم ما احتوى عليه من محرمات ومنكرات، وأنا أسوق كلامه فصلا فصلا. قال:

(فصل فى المولد) ومن جملة ما أحدثوه من البدع مع اعتقادهم أن ذلك من أكبر العبادات وإظهار الشعائر ما يفعلونه فى شهر ربيع الأول من المولد، وقد احتوى ذلك على بدع ومحرمات جمة؛ فمن ذلك: استعمالهم المغانى ومعهم آلات الطرب من الطار المصرصر والشبابة وغير ذلك مما جعلوه آلة للسماع ومضوا فى ذلك على العوائد الذميمة فى كونهم يشتغلون أكثر الأزمنة التى فضلها الله تعالى، وعظمها ببدع ومحرمات، ولا شك أن السماع فى غير هذه الليلة فيه ما فيه، فكيف به إذا انضم إلى فضيلة هذا الشهر العظيم الذى فضله الله تعالى وفضلنا فيه بهذا النبى الكريم؟ فآلة الطرب والسماع أى نسبة بينها وبين هذا الشهر الكريم الذى من الله علينا فيه بسيد الأولين والآخرين، وكان يجب أن يزاد فيه من العبادة والخير شكرا للمولى على ما أولانا به من هذه النعم العظيمة، وإن كان النبى صلى الله عليه وسلم لم يزد فيه على غيره من الشهور شيئا من العبادات، وما ذاك إلا لرحمته صلى الله عليه وسلم لأمته ورفقه بهم؛ لأنه عليه الصلاة والسلام كان يترك العمل خشية أن يفرض على أمته رحمة منه بهم، لكن أشار عليه السلام إلى فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله للسائل الذى سأله عن صوم يوم الاثنين: " ذاك يوم ولدت فيه " فتشريف هذا اليوم متضمن لتشريف هذا الشهر الذى ولد فيه، فينبغى أن نحترمه حق الاحترام ونفضله بما فضل الله به الأشهر الفاضلة وهذا منها؛ لقوله عليه السلام: " أنا سيد ولد آدم ولا فخر " " آدم فمن دونه تحت لوائى " وفضيلة الأزمنة والأمكنة بما خصها الله به

من العبادات التى تفعل فيها لما قد علم أن الأمكنة والأزمنة لا تشرف لذاتها، وإنما يحصل لها التشريف بما خصت به من المعانى، فانظر إلى ما خص الله به هذا الشهر الشريف ويوم الاثنين، ألا ترى أن صوم هذا اليوم فيه فضل عظيم ؛ لأنه صلى الله عليه وسلم ولد فيه، فعلى هذا ينبغى إذا دخل هذا الشهر الكريم أن يكرم ويعظم ويحترم الاحترام اللائق به اتباعا له صلى الله عليه وسلم فى كونه كان يخص الأوقات الفاضلة بزيادة فعل البر فيها و كثرة الخيرات، ألا ترى إلى قول ابن عباس كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أجود الناس بالخير وكان أجود ما يكون فى رمضان، فنمتثل تعظيم الأوقات الفاضلة بما امتثله على قدر استطاعتنا ـ

فإن قال قائل: قد التزم عليه الصلاة والسلام فى الأوقات الفاضلة ما التزمه مما قد علم ولم يلتزم فى هذا الشهر ما التزمه فى غيره ـ فالجواب أن ذلك لما علم من عادته الكريمة أنه يريد التخفيف عن أمته سيما فيما كان يخصه، ألا ترى إلى أنه عليه السلام حرم المدينة مثل ما حرم إبراهيم مكة، ومع ذلك لم يشرع فى قتل صيده ولا شجره الجزاء تخفيفا على أمته ورحمة بهم، فكان ينظر إلى ما هو من جهته وإن كان فاضلا فى نفسه فيتركه للتخفيف عنهم، فعلى هذا تعظيم هذا الشهر الشريف إنما يكون بزيادة الأعمال الزاكيات فيه والصدقات إلى غير ذلك من القربات، فمن عجز عن ذلك، فأقل أحواله أن يجتنب ما يحرم عليه ويكره له ؛ تعظيما لهذا الشهر الشريف، وإن كان ذلك مطلوبا فى غيره إلا أنه فى هذا الشهر أكثر احتراما كما يتأكد فى شهر رمضان وفى الأشهر الحرم، فيترك الحدث فى الدين ويجتنب مواضع البدع وما لا ينبغى، وقد ارتكب بعضهم فى هذا الزمن ضد هذا

المعنى، وهو أنه إذا دخل هذا الشهر العظيم تسارعوا فيه إلى اللهو واللعب بالدف والشبابة وغيرهما ويا ليتهم عملوا المغانى ليس إلا، بل يزعم بعضهم أنه يتأدب، فيبدأ المولد بقراءة الكتاب العزيز، وينظرون إلى من هو أكثر معرفة بالتهوك والطرق المبهجة لطرب النفوس، وهذا فيه وجوه من المفاسد، ثم إنهم لم يقتصروا على ما ذكر، بل ضم بعضهم إلى ذلك الأمر الخطر، وهو أن يكون المغنى شابا لطيف الصورة حسن الصوت والكسوة والهيئة، فينشد التغزل ويتكسر فى صوته وحركاته، فيفتتن بعض من معه من الرجال والنساء، فتقع الفتنة فى الفريقين ويثور من المفاسد ما لا يحصى، وقد يؤول ذلك فى الغالب إلى فساد حال الزوج وحال الزوجة، ويحصل الفراق والنكد العاجل وتشتت أمرهم بعد جمعهم، وهذه المفاسد مركبة على فعل المولد إذا عمل بالسماع، فإن خلا منه وعمل طعاما فقط ونوى به المولد ودعا إليه الإخوان، وسلم من كل ما تقدم ذكره، فهو بدعة بنفس نيته فقط ؛ لأن ذلك زيادة فى الدين وليس من عمل السلف الماضين، واتباع السلف أولى، ولم ينقل عن أحد منهم أنه نوى المولد، ونحن تبع فيسعنا ما وسعهم ـ انتهى ـ

وحاصل ما ذكره أنه لم يذم المولد بل ذم ما يحتوى عليه من المحرمات والمنكرات، وأول كلامه صريح فى أنه ينبغى أن يخص هذا الشهر بزيادة فعل البر وكثرة الخيرات والصدقات وغير ذلك من وجوه القربات، وهذا هو عمل المولد الذى استحسناه، فإنه ليس فيه شىء سوى قراءة القرآن وإطعام الطعام، وذلك خير وبر وقربة، وأما قوله آخرا: إنه بدعة، فإما أن يكون مناقضا لما تقدم أو يحمل على أنه بدعة حسنة كما تقدم تقريره فى صدر الكتاب أو يحمل على أن فعل ذلك

خير، والبدعة منه نية المولد كما أشار إليه بقوله: فهو بدعة بنفس نيته فقط، وبقوله: ولم ينقل عن أحد منهم أنه نوى المولد، فظاهر هذا الكلام أنه كره أن ينوى به المولد فقط، ولم يكره عمل الطعام ودعاء الإخوان إليه، وهذا إذا حقق النظر لا يجتمع مع أول كلامه؛ لأنه حث فيه على زيادة فعل البر وما ذكر معه على وجه الشكر لله تعالى؛ إذ أوجد فى هذا الشهر الشريف سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم، وهذا هو معنى نية المولد، فكيف يذم هذا القدر مع الحث عليه أولا ؟ وأما مجرد فعل البر وما ذكر معه من غير نية أصلا، فإنه لا يكاد يتصور، ولو تصور لم يكن عبادة ولا ثواب فيه؛ إذ لا عمل إلا بنية، ولا نية هنا إلا الشكر لله تعالى على ولادة هذا النبى الكريم فى هذا الشهر الشريف، وهذا معنى نية المولد، فهى نية مستحسنة بلا شك، فتأمل.

ثم قال ابن الحاج: ومنهم من يفعل المولد لا لمجرد التعظيم، ولكن له فضة عند الناس متفرقة كان قد أعطاها فى بعض الأفراح أو المواسم ويريد أن يستردها، ويستحى أن يطلبها بذاته، فيعمل المولد حتى يكون ذلك سببا لأخذ ما اجتمع له عند الناس، هذا فيه وجوه من المفاسد، منها: أنه يتصف بصفة النفاق، وهو أن يظهر خلاف ما يبطن؛ إذ ظاهر حاله أنه عمل المولد يبتغى به الدار الآخرة، وباطنه أنه يجمع به فضة، ومنهم من يعمل المولد لأجل جمع الدراهم أو طلب ثناء الناس عليه ومساعدتهم له، وهذا أيضا فيه من المفاسد ما لا يخفى. انتهى. وهذا أيضا من نمط ما تقدم ذكره، وهو أن الذم فيه إنما حصل من عدم النية الصالحة لا من أصل عمل المولد.

وقد سئل شيخ الإسلام حافظ العصر أبو الفضل ابن حجر عن عمل المولد، فأجاب بما نصه: أصل عمل المولد بدعة لم تنقل عن

أحد من السلف الصالح من القرون الثلاثة، ولكنها مع ذلك قد اشتملت على محاسن وضدها، فمن تحرى فى عملها المحاسن وتجنب ضدها كان بدعة حسنة وإلا فلا، قال: وقد ظهر لى تخريجها على أصل ثابت وهو ما ثبت فى الصحيحين من أن النبى صلى الله عليه وسلم قدم المدينة فوجد اليهود يصومون يوم عاشوراء، فسألهم فقالوا: هو يوم أغرق الله فيه فرعون ونجى موسى فنحن نصومه شكرا لله تعالى، فيستفاد منه فعل الشكر لله على ما من به فى يوم معين من إسداء نعمة أو دفع نقمة، ويعاد ذلك فى نظير ذلك اليوم من كل سنة، والشكر لله يحصل بأنواع العبادة كالسجود والصيام والصدقة والتلاوة، وأى نعمة أعظم من النعمة ببروز هذا النبى نبى الرحمة فى ذلك اليوم؛ وعلى هذا فينبغى أن يتحرى اليوم بعينه حتى يطابق قصة موسى فى يوم عاشوراء، ومن لم يلاحظ ذلك لا يبالى بعمل المولد فى أى يوم من الشهر، بل توسع قوم فنقلوه إلى يوم من السنة، وفيه ما فيه - فهذا ما يتعلق بأصل عمله -

وأما ما يعمل فيه فينبغى أن يقتصر فيه على ما يفهم الشكر لله تعالى من نحو ما تقدم ذكره من التلاوة والإطعام والصدقة وإنشاد شىء من المدائح النبوية والزهدية المحركة للقلوب إلى فعل الخير والعمل للآخرة، وأما ما يتبع ذلك من السماع واللهو وغير ذلك فينبغى أن يقال: ما كان من ذلك مباحا بحيث يقتضى السرور بذلك اليوم لا بأس بإلحاقه به، وما كان حراما أو مكروها فيمنع، وكذا ما كان خلاف الأولى - انتهى -

قلت: وقد ظهر لى تخريجه على أصل آخر، وهو ما أخرجه البيهقى عن أنس أن النبى صلى الله عليه وسلم عق عن نفسه بعد النبوة مع أنه

قدورد أن جده عبد المطلب عق عنه فى سابع ولادته، والعقيقة لا تعاد مرة ثانية. فيحمل ذلك على أن الذى فعله النبى صلى الله عليه وسلم إظهار للشكر على إيجاد الله إياه رحمة للعالمين وتشريع لأمته كما كان يصلى على نفسه لذلك، فيستحب لنا أيضا إظهار الشكر بمولده بالاجتماع وإطعام الطعام ونحو ذلك من وجوه القربات وإظهار المسرات، ثم رأيت إمام القراء الحافظ شمس الدين ابن الجزرى قال فى كتابه المسمى "عرف التعريف بالمولد الشريف" ما نصه: قد رؤى أبو لهب بعد موته فى النوم، فقيل له: ما حالك، فقال: فى النار، إلا أنه يخفف عنى كل ليلة اثنين وأمص من بين أصبعى ماء بقدر هذا - وأشار لرأس أصبعه - وأن ذلك بإعتاقى لثويبة عندما بشرتنى بولادة النبى صلى الله عليه وسلم وبإرضاعها له. فإذا كان أبو لهب الكافر الذى نزل القرآن بذمه جوزى فى النار بفرحه ليلة مولد النبى صلى الله عليه وسلم به، فما حال المسلم الموحد من أمة النبى صلى الله عليه وسلم يسر بمولده ويبذل ما تصل إليه قدرته فى محبته صلى الله عليه وسلم؛ لعمرى إنما يكون جزاؤه من الله الكريم أن يدخله بفضله جنات النعيم. وقال الحافظ شمس الدين ابن ناصر الدين الدمشقى فى كتابه المسمى "مورد الصادى فى مولد الهادى": قد صح أن أبا لهب يخفف عنه عذاب النار فى مثل يوم الاثنين لإعتاقه ثويبة سرورا بميلاد النبى صلى الله عليه وسلم، ثم أنشد:

إذا كان هذا كافرا جاء ذمه وتبت يداه فى الجحيم مخلدا أتى أنه فى يوم الاثنين دائما

يخفف عنه للسرور بأحمدا فما الظن بالعبد الذى طول عمره بأحمد مسرورا ومات موحدا

وقال الكمال الأدفوى فى "الطالع السعيد": حكى لنا صاحبنا العدل ناصر الدين محمود ابن العماد أن أبا الطيب محمد بن إبراهيم السبتى المالكى نزيل قوص، أحد العلماء العاملين، كان يجوز بالمكتب فى اليوم الذى فيه ولد النبى صلى الله عليه وسلم، فيقول: يافقيه، هذا يوم سرور اصرف الصبيان، فيصرفنا، وهذا منه دليل على تقريره وعدم إنكاره، وهذا الرجل كان فقيها مالكيا متفننا فى علوم، متورعا، أخذ عنه أبو حيان وغيره، ومات سنة خمس وتسعين وستمائة.

(فائدة) قال ابن الحاج: فإن قيل: ما الحكمة فى كونه عليه الصلاة والسلام خص مولده الكريم بشهر ربيع الأول ويوم الاثنين ولم يكن فى شهر رمضان الذى أنزل فيه القرآن وفيه ليلة القدر، ولا فى الأشهر الحرم ولا فى ليلة النصف من شعبان ولا فى يوم الجمعة وليلتها؟ فالجواب من أربعة أوجه:

الأول: ما ورد فى الحديث من أن الله خلق الشجر يوم الاثنين، وفى ذلك تنبيه عظيم، وهو أن خلق الأقوات والأرزاق والفواكه والخيرات التى يمتد به بنو آدم ويحيون وتطيب بها نفوسهم.

الثانى: أن فى لفظة ربيع إشارة وتفاؤلا حسنا بالنسبة إلى اشتقاقه، وقد قال أبو عبد الرحمن الصقلى: لكل إنسان من اسمه نصيب.

الثالث: أن فصل الربيع أعدل الفصول وأحسنها، وشريعته أعدل الشرائع وأسمحها.

الرابع: أن الحكيم سبحانه أراد أن يشرف به الزمان الذى ولد فيه، فلو ولد فى الأوقات المتقدم ذكرها لكان قد يتوهم أنه يتشرف بها. تم الكتاب، ولله الحمد والمنة.

oooo

FALAAH RESEARCH FOUNDATION

523/7, Waheed Market, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006
Mobile: 09867934085 / Email: zubairqadri@in.com